اس بیان کے بعد جج مجبور تھا کہ مولانا کو سزا دے۔

بعض لوگوں نے مولانا کی معقولات میں دستگاہ کو دیکھتے ہوئے مزید داستان بنائی کہ "مولانا نے چند الزام اپنے اوپر خود ہی قائم کرلئے اور پھر ان کو تار عنکبوت کی طرح توڑ دیا۔"

لیکن یہ بیانات چنداں قابل وقعت نہیں ہیں۔ مولانا فضل حق خود نوشت میں جج کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"میرا معاملہ ایسے ظالم حاکم کے سپرد کر دیا جو مظلوم پر رحم کرنا ہی نہ جانتا تھا۔
——— اس ظالم نے میری جلاوطنی اور عمر قید کا فیصلہ صادر کیا"[۱]

مولانا کے اس ریمارک کے پیش نظر کیونکر اس داستان کو مانا جاسکتا ہے۔ مولانا مہر نے ان داستان بانیوں کو بے حقیقت قرار دیا ہے[۲]

بہرحال مولانا کو حبس دوام کی سزا ہوئی اور جملہ جائداد کی ضبطی کا حکم صادر ہوا۔ جائداد ضبط ہوگئی اور مولانا کو انڈیمان روانہ کر دیا گیا۔ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ انڈیمان کب پہنچے البتہ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ان سے پہلے مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی مظہر کریم دریاآبادی اور کئی دوسرے علماء وہاں پہنچ چکے تھے۔

انڈیمان کی ناخوشگوار زندگی مولانا انڈیمان کی آب و ہوا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"آب و ہوا ناموافق، پہاڑی علاقہ، اس میں دشوار گذار گھاٹیاں اور راستے، وہاں کی باد صبا لُو سے بھی زیادہ سخت، غذا حنظل سے زیادہ کڑوی، پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں اور اس کے سنگریزے بدن کی پھنسیاں۔"

مولانا نے یہ کوئی شاعری نہیں کی ہے، اور نہ انہوں نے اپنی خود نوشت کو ہی جاذب نظر بنانے کے لئے ایسی عکاسی کی ہے، موجودہ دور میں بھی کالاپانی کی زندگی اس سے کچھ ہی مختلف ہے۔ اور جس دور کی زندانی زندگی کا مولانا تذکرہ کرتے ہیں۔ اُس وقت تو حالات ایسے ہی ہونگے۔

اسی ناموافق آب و ہوا اور زہریلے ماحول کا اثر تھا کہ وہ کئی سخت امراض میں مبتلا ہو گئے۔ خارش کے باعث بدن زخموں سے بھر گیا تھا۔ اور ان زخموں کی ٹیسیں روح کو تحلیل کر دیتی تھیں بیان کیا جاتا ہے، کہ آغاز میں مولانا کے ذمے صفائی کی خدمت کی گئی۔ ٹوکرا اٹھائے کوڑا کرکٹ پھینکتے رہتے۔ ان کے کپڑے اتروا لئے گئے۔ تہبند اور کملی دے دی گئی تھی۔ پاؤں سے

---

[۱] الثورۃ الہندیہ صفحہ ۱۶۷ [۲] ۱۸۵۷ء کے مجاہد صفحہ ۱۲۵

ننگے رہتے تھے۔ یہ وہ دلخراش منظر تھا جو صرف اس جرم کی پاداش میں دیکھنا پڑا کہ یہ دیوانے "اسلام" کا جھنڈا بلند کرنے کیلئے کیوں اٹھے تھے، اور انہوں نے "آزادی" کا نام کیوں لیا تھا ـــــ

ـــــ آخر میں مولانا کا علم و فضل کام آیا اور انہیں برائے نام محرری کا کام سونپ دیا گیا۔

وفات | مولانا کے صاحبزادے عبدالحق نے ولایت میں مرافعہ دائر کر رکھا تھا۔ وہ منظور ہوا مولانا کی رہائی کا حکم آگیا۔ صاحبزادہ انہیں لانے کے لئے انڈیمان روانہ ہوا۔ جہاز سے اترنے پر ایک جنازہ دکھائی دیا جس کے ساتھ بڑا ہجوم تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اس غریب الدیار کا جنازہ ہے جس نے اپنے ملک کی آزادی کے لیئے فتویٰ جہاد پر دستخط کئے تھے۔

۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ (۱۹ اگست ۱۸۶۱ء) کو مولانا اس جہان فانی سے عالم بقا کو روانہ ہوئے۔[۱]

مولانا عبدالشاہد خان فرماتے ہیں کہ مولانا کا مزار اب تک مرجع خلائق اور زیارت گاہ خاص و عام

واللہ! وہ مجاہد آزادی خیرآباد میں پیدا ہوا، دہلی میں جوانی گزاری، لکھنؤ میں بوڑھا ہوا، اور وطن سے دور جزائر انڈیمان میں ہمیشہ کی نیند سو گیا۔ ؎

جمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

ازواج و اولاد | مولانا نے دو شادیاں کیں، پہلی اہلیہ بی بی وزیرن سے تین صاحبزادیاں تھیں اور ایک صاحبزادہ شمس العلماء عبدالحق خیرآبادی تھے۔ دوسری اہلیہ دہلوی تھیں ان سے دو لڑکے مولوی شمس الحق اور مولوی علاء الحق تھے۔[۲]

تلامذہ | مولانا فضل حق سے ان گنت افراد نے فیض اٹھایا، اور مولانا مہر کے الفاظ میں "بعد کے دور کے اکثر اکابر علم انہیں کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد تھے۔" تاہم ان کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل اصحاب کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ شمس العلماء مولانا عبدالحق خیرآبادی (خلف الرشید) م ۱۳۱۶ھ (آں کہ امام وقت است) ۱۳۱۶ھ

۲۔ ہدایت اللہ خان جونپوری (استاد مولانا سلیمان اشرف مرحوم)

۳۔ فیض الحسن سہارنپوری (استاد مولانا شبلی نعمانیؒ)

۴۔ مولانا جمیل احمد　　۷۔ مولانا عبدالقادر بدایونی　　۸۔ مولانا شاہ عبدالحق کانپوری

۵۔ مولانا سلطان احمد بریلوی۔　　۹۔ مولانا ہدایت اللہ بریلوی (استاد فضل حق رامپوری)

۶۔ مولانا عبداللہ بلگرامی۔　　۱۰۔ مولانا غلام قادر۔　　۱۱۔ مولانا خیرالدین دہلوی (والد مولانا ابوالکلام آزاد)

۱۔ الثورۃ الہندیہ ص ۱۴۴　　۲۔ الثورۃ الہندیہ و ۱۸۵۷ء کے مجاہد ص ۱۳۷

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی
پی۔ ایچ۔ ڈی

تحقیق اور ریسرچ

یا

صلیبی جذبۂ انتقام کی آسودگی

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے حال میں لیڈز یونیورسٹی (انگلینڈ) سے علم لسانیات پر پی۔ ایچ۔ ڈی کیا ہے۔ وہ ڈگری لے کر سعودی عرب واپس ہوئے تو وہاں کے اخبار "الندوہ" کے نمائندہ نے ان سے ایک انٹرویو لیا ہے۔ الندوہ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا۔ اس انٹرویو کے بعض اجزاء یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

★

اڈنبرا یونیورسٹی نے تفسیر قرآن کے کسی موضوع پر ریسرچ کے لئے ایک اسکالرشپ کا اعلان کیا۔ اتفاقاً اس اسکالرشپ کے مستحق ایک پاکستانی طالب علم قرار پائے، انہیں علم و تحقیق کے شوق نے لندن پہنچا دیا۔ پاکستانی طالب علم بے حد خوش تھا، اور اپنی قسمت پر نازاں، مگر اسے جلد ہی وہاں واپس ہونا پڑا۔ یونیورسٹی پہنچنے پر اسے بتایا گیا کہ یہ وظیفہ اسے تفسیر قرآن کے کسی موضوع پر ریسرچ کے لئے دیا جائے گا یہ بات کچھ زیادہ تعجب خیز نہ تھی۔ لیکن جب وہ اپنے سپروائزر پروفیسر سے ملا اور اس نے تفسیر پر کام کرنے کی نوعیت بتائی تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اس کے کانوں میں پروفیسر کی یہ آواز گونجی کہ قرآن پاک خدا تعالیٰ کا کلام اور وحی نہیں ہے، بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اپنی تصنیف ہے، ریسرچ اسکالر کو اسے ہی بنیاد بنا کر علم و تحقیق کی روشنی میں کرنا پڑے گا۔

—— "قابلِ افسوس اور باعثِ شرم" —— پاکستانی طالب علم زبان سے صرف یہی لفظ ادا کر سکا۔ اس نے اپنا سامان اٹھایا۔ اور وطن واپس آگیا۔

یہ واقعہ جناب ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی نے بیان کیا۔ یہ لندن سے ابھی کچھ روز